فرار الی اللہ کی تشریح، قناعت کا صفت غنیٰ سے تعلق، جھوٹ سے بچیں یہ بڑا شرک ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶ / دسمبر ۱۹۸۸ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

گزشتہ خطبہ میں نے فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ (الذاریات:۵۱) کے مضمون پر کچھ روشنی ڈالی تھی لیکن چونکہ جمعہ کا جو عام مقرر وقت ہے وہ ختم ہو چکا تھا اس لئے کچھ حصہ مضمون کا ابھی باقی تھا۔

جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف دوڑو یعنی فرار اختیار کرو تو جب تک اس کا پوری طرح مفہوم سمجھ نہ آ جائے ہم کسی سمت بھی دوڑ نہیں سکتے۔ پہلی بات تو واضح ہے کہ خدا جسم نہیں ہے اور ہر سمت میں ہے۔ جیسا کہ فرمایا: فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (البقرہ:۱۱۶) جس طرف بھی تم منہ کرو گے وہیں اسی سمت میں تم خدا کو پاؤ گے۔ تو پھر دوڑنے سے کیا مراد ہے؟ جیسا کہ میں نے پچھلے خطبہ میں بھی بیان کیا تھا فرار کا لفظ کسی خطرے کے مقابل پر دوڑنے کو کہتے ہیں محض دوڑ نا مراد نہیں۔ تو خطرے کی نشاندہی سے سمت کا تعین ہوا کرتا ہے۔ اس لئے یہ مضمون محض ایک سطحی اور عمومی مضمون نہیں ہے کہ کسی کو کہہ دیا جائے کہ خدا کی طرف دوڑو بلکہ یہ سمجھانا ضروری ہے کہ کس سے بھاگو، کس طرف بھاگو اور یہ بتانا ضروری ہے کہ جب تک بھاگنے والا خطرے کی سمت معین نہیں کرتا اس کے بھاگنے کی سمت بھی معین نہیں ہو سکتی۔

عام دنیا میں جو ہم دستور دیکھتے ہیں اس پر غور کرنے سے آپ کو اس مضمون کے اور بہت

سے پہلو سمجھ میں آجائیں گے۔ ایک انسان اگر جنگلی بھینسے سے بھاگ رہا ہے تو اس کو درخت پناہ دے گا۔ وہ اگر دوڑ کر کسی قریب کے درخت پر چڑھ جائے اور اگر وہ چڑھ سکتا ہو تو جنگلی بھینسا چونکہ درخت پر نہیں چڑھ سکتا اس لئے اس کو درخت سے پناہ مل جائے گی لیکن اگر وہ ریچھ سے بھاگا ہے تو درخت اس کو پناہ نہیں دے سکتا کیونکہ ریچھ درخت پر چڑھ سکتا ہے۔ اس کے لئے اگر اس کو آگ مہیا ہو اور وہ جلتی ہوئی لکڑیاں استعمال کر کے اس کے دائرے میں آجائے یا ایک بڑی جلتی ہوئی لکڑی کو استعمال کرے ریچھ کو ڈرانے کے لئے تو اس بات کا امکان موجود ہے کہ وہ ریچھ سے بچ جائے۔ خشکی کے جانوروں سے بچنے کے اور طریق ہیں، پانی کے جانوروں سے بچنے کے اور طریق ہیں، مگر مچھ کسی کے پیچھے ہو تو اس کو دریا سے نکل کر خشکی کی پناہ لینی پڑتی ہے۔ بعض ایسے حملے ہیں جن میں خشکی سے اتر کر دریا کی پناہ لینی پڑتی ہے۔ چنانچہ شہد کی مکھیوں کا حملہ ہو تو نہ درخت پناہ دے سکتا ہے، نہ زمین پناہ دے سکتی ہے۔ اس کے لئے اکثر لوگوں کو دریاؤں میں چھلانگیں لگاتے دیکھا ہے، نہروں میں یا تالابوں میں۔ قادیان میں مجھے یاد ہے ایک دفعہ مجلس مشاورت کے بعد کسی بچے نے غلیلے سے شہد کا چھتا چھیڑ دیا تو لوگ بری طرح اس سے بیچارے متاثر ہوئے، گھبرائے، بھاگے، زخمی ہوئے لیکن ایک تالاب تھا وہاں بچوں کے نہانے کا، اصل جن کو پناہ ملی ہے ان کو اسی تالاب میں ملی ہے یا پھر بند کمروں میں مل سکتی ہے۔

تو خدا تعالیٰ ہر طرف ہے لیکن ہر خطرے سے پناہ کے لئے جس طرف منہ اٹھا کر آپ بھاگیں آپ کو پناہ نہیں مل سکتی بلکہ خطرے کی سمت بچاؤ کی سمت معین کرتی ہے، وہاں بھی تو آپ خدا ہی کی پناہ میں آتے ہیں۔ درخت پر چڑھیں تب بھی قانون قدرت جو خدا نے پیدا کیا ہے اس کے تابع، اس خدا کے حکم کے ماتحت درخت آپ کو پناہ دیتا ہے۔ جہاں پانی کی پناہ میں آتے ہیں وہاں بھی قانون قدرت خدا کے حکم کے تابع آپ کو پناہ دیتا ہے اسی طرح خطروں کی نشاندہی آپ کرتے چلے جائیں ان کے مقابل پر آپ کا دماغ خود آپ کو بتاتا چلا جائے گا کہ یہاں خدا کس سمت میں ہے۔ تو ہر سمت سے خدا آپ کی پناہ کا منتظر ہے لیکن ہر خطرے کے نتیجے میں جس طرف منہ اٹھے اس طرف بھاگنے سے آپ کو پناہ نہیں ملے گی۔ خطرے کا تعین ضروری ہے پھر سمت کا تعین ہوگا۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جاؤ گے جس طرف بھی وہیں خدا کو پاؤ گے خدا کے سوا کچھ نہیں

ہوگا لیکن کس سمت میں خدا سے پناہ مانگنی ہے اس کا تعین خطرے نے کرنا ہے۔

بعینہٖ یہی حال گناہوں کا ہے۔ گناہوں کے تعیین کے بغیر آپ کو یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ خدا سے کس طرح آپ نے پناہ حاصل کرنی ہے۔ ہر گناہ اس کے اپنے مقابل پر ایک الٰہی صفت سے خوف کھاتا ہے اور اس کو اس صفت کے دائرے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے جب آپ گناہ کا تعین کر دیں گے تو اس الٰہی صفت کا تعین خود بخود ہو جائے گا تو ادنیٰ غور سے بھی آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جسے اپنانے کی ضرورت ہے۔

اس مضمون پر غور کرتے ہوئے اور بھی بہت سی باتیں سامنے آتی ہیں کہ پناہ لینے سے اب کیا مراد ہے۔ بعض صفات انسان کی ایسی ہیں جو بعض برائیوں سے پناہ دیتی ہیں مگر خدا میں وہ صفات نہیں ہیں یہ بھی ایک سوال اٹھتا ہے تو کیا خدا کے سوا بھی کوئی پناہ دینے والی چیز ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا سے پناہ ملنی ہے تو جب تک تمام گناہوں کا شعور نہ ہو انسان کو مکمل پناہ نہیں مل سکتی۔ ایک گناہ سے بھاگیں گے خدا کی جس سمت میں اس کا توڑ موجود ہے وہاں آپ کو پناہ تو مل جائے گی لیکن بعض اور سمتوں سے حملہ کرنے والے گناہ سے آپ کو پناہ نہیں ملے گی۔

اس مضمون کو سمجھنے کے بعد آپ کو کشتی نوح کی اس عبارت کی سمجھ آسکتی ہے جس میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض چھوٹے چھوٹے گناہوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ جو ان گناہوں سے بھی توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اس تعلیم کو آپ پڑھیں گے تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ یوں محسوس ہوگا کہ کوئی ایک بھی انسان آج دنیا میں ایسا نہیں ہوسکتا جو یقین کے ساتھ یہ کہہ سکے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں سے ہوں۔

تو کیا مطلب ہے اس تحریر کا؟ اس سے یہی مراد ہے کہ تم امن میں نہیں ہو۔ انبیاء جو جماعت پیدا کرتے ہیں وہ امن کی جماعت ہے یعنی تمام گناہوں سے پوری طرح امن تا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بندے پر کوئی حرف نہ آسکے۔ تو مراد یہ ہے کہ تم نے ایک رخنہ چھوڑ دیا اپنے لئے اس لئے کلیۃً میری جماعت میں داخل نہیں ہو سکے کیونکہ جو جماعت میں داخل ہے ان کے متعلق خدا کا وعدہ ہے اور اٹل وعدہ ہے کہ ان کو دنیا کی کوئی طاقت کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا سکتی۔ وہ ہر حال میں ہمیشہ خدا کی پناہ میں رہنے والے لوگ ہیں۔ تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکمل

جماعت بنا کر آپ کو دکھائی ہے تعلیم کی صورت میں کوئی رخنہ اس میں سے نہیں چھوڑا۔ اس لئے بعض دفعہ کم فہم لوگ اس عبارت کو پڑھ کے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کیا مطلب ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آج ماننے والا کیا دنیا میں ایک بھی نہیں رہا۔ یقیناً ہیں لیکن کوئی نہ کوئی سوراخ انہوں نے اس عمارت میں داخل ہوتے وقت ایسے چھوڑ دیئے کہ وہ دیوار جو ان کے گرد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنائی ہے وہ ہر طرف سے ہر سمت سے ان کی حفاظت نہیں کر رہی کیونکہ خود انہوں نے کچھ اینٹیں لگانی چھوڑ دیں یا بھول گئے یا بعض جگہ خود رخنہ ڈال دیئے۔

تو صفات الٰہی کی طرف دوڑنے کا مضمون ہمیں یہ بھی بتا رہا ہے کہ خدا کی پناہ میں ایک پہلو سے آنے کے باوجود بعض دوسرے پہلوؤں سے ہوسکتا ہے کہ ہم امن کی حالت میں نہ رہیں۔ چنانچہ جو شخص جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتا وہ حق ذات سے تعلق نہیں جوڑ سکتا اور ہر سمت سے اس پر حملے ہو سکتے ہیں اور اس کثرت کے ساتھ وہ حملوں کا شکار ہوسکتا ہے کہ سچا آدمی جس میں بعض اور برائیاں ہوں اتنا زیادہ خطرہ کی حالت میں زندگی نہیں گزارتا جتنا ایک جھوٹا آدمی زندگی گزارتا ہے۔

اسی طرح آپ دوسری صفات پر غور کرنا شروع کریں تو ہر صفت کے اوپر آپ کو معلوم ہوگا کہ اس الٰہی صفت میں خصوصیت کے ساتھ ان ان باتوں سے پناہ دینے کی قوتیں موجود ہیں اور پھر جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا آپ کو اپنے گناہوں کے شعور کو بیدار کرنا پڑے گا۔ جب تک انسان اپنے نفس کی کمزوریوں کا شعور پیدا نہیں کرتا اور اپنے نفس کی کمزوریوں کو ایسی آنکھ سے نہیں دیکھتا جیسے شدید دشمن نفرت کی آنکھ سے کسی شخص کی کمزوریوں کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جب تک ایک ظالم کی نظر سے انسان اپنے نفس کی کمزوریوں کو نہیں دیکھتا اس وقت تک وہ پوری طرح اپنے وجود کو کھنگال نہیں سکتا اور وہ برائیاں جو تہ میں بیٹھی ہوئی ہیں وہ ابھر کر اس کی آنکھوں کے سامنے نہیں آسکتیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا بعض دفعہ پانی شفاف دکھائی دیتا ہے لیکن اس میں آپ چمچہ گھول دیں یا ویسے ہی کسی لکڑی سے اس کو ہلا دیں تو نیچے سے گدلا پن اس کا اوپر ابھر آتا ہے اور آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ وہ لوگ جو گناہ کا شعور نہیں رکھتے ان کے اندر تہ بہ تہ گناہ بیٹھتے چلے جاتے ہیں اور جو گناہ ان کے دلوں کی تہوں میں بیٹھ جاتے ہیں وہ ان کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ تبھی ضرورت پڑتی ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے نفس کے کھنگالتا رہے اور اس طرح کھنگالے جیسے کوئی دشمن

برائیاں دیکھنے کے شوق میں، تلاش میں کریدتا ہے دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کے اندر چھپی ہوئی کون سی بیماری ہے۔

اس مضمون کو قرآن کریم نے آنحضرت ﷺ کے تعلق میں ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا کہ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا بظاہر تو بہت ہی خوفناک لفظ ہیں۔ انتہائی ظالم اور انتہائی جہالت سے پیش آنے والا اور ذکر چل رہا ہے حضرت محمد مصطفی ﷺ کا جن پر خدا نے امانت نازل فرمائی قرآن کریم کی۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جن معنوں میں ہم اس لفظ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کو سمجھتے ہیں ان معنوں میں اس کا اطلاق آنحضرت ﷺ تو کیا آپ کے ادنیٰ غلاموں پر بھی ہو سکے اور مقام مدح ہے کوئی برائی کا موقع نہیں بلکہ انتہائی تعریف جو کسی انسان کی جاسکتی ہے جس سے اوپر تعریف ممکن نہیں ہے اس موقع پر خدا تعالیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کا ذکر کر کے فرماتا ہے اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۳﴾ (الاحزاب: ۷۳) یعنی وہ امانت جس کا بوجھ اٹھانے سے زمین و آسمان کانپ اٹھے، پہاڑوں نے انکار کر دیا، یہ مرد میدان آگے آیا اور اس نے اس امانت کو اٹھا لیا۔ کتنا عظیم الشان تعریف کا مقام ہے۔ پھر فرمایا اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا دیکھو کتنا ظلوم، کتنا جہول ہے۔ میں نے پہلے بھی ایک خطبے میں بیان کیا تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ راز ہم پر کھولا یہاں ظلوم سے مراد دوسروں پر ظلم کرنے والا نہیں بلکہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے۔ اپنے نفس کو اس طرح کھنگالنے والا، اس شدت کے ساتھ اپنے نفس سے برائیاں دور کرنے والا کہ جیسے اس کے دل میں اپنے نفس کے لئے کوئی رحم کا جذبہ باقی نہیں۔ ہر تکلیف کے مقام پر اپنے نفس کو گھسیٹ کر لے جانے والا، ہر آرام کے بستر سے اپنے نفس کو اٹھا کر مصائب کے میدانوں کی طرف لے جانے والا شخص ظَلُوْمًا کہلائے گا اور جہول اس کو کہتے ہیں جو پھر عواقب سے بے خبر ہو جائے۔ اس کو اس بات کی کوئی پرواہ نہ رہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ جب انسان اپنی پرواہ اس طرح چھوڑ دے اور اپنے نفس کو خدا کی خاطر ہلاکت میں ڈالتا ہے تو وہ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کہلاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو آسمان سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ (الشعراء: ۴) کہ اے میرے پیارے بندے! تو کیا اپنے نفس کو ہلاک کر لے گا۔

یہ وہ مضمون ہے جو آپ کو اپنے گناہوں کا شعور بخش سکتا ہے۔ اپنے نفس پر رحم کرنے والا نہیں بلکہ ظلم کرنے والا بننا پڑے گا۔ وہ آنکھیں جو آپ کی ہمیشہ غیر کی طرف لگی رہتی ہے اس کی برائیاں تلاش کرنے کے لئے کبھی اپنی طرف بھی تو ان کو لوٹائیں۔ کبھی ان نظروں سے اپنے نفس کو بھی تو دیکھیں۔ معلوم تو کریں کہ آپ کے اندر کتنے ظلم کی کچھڑ یاں پک رہی ہیں، کتنا نیتوں کا فتور ہے، کتنا فساد ہے جگہ جگہ اور کتنے پردوں کی پیچھے چھپ چکا ہے۔ جس طرح گھر کی دیر سے صفائی نہ ہو تو گند کونوں کھدروں میں چھپتا چلا جاتا ہے، چھپتا چلا جاتا ہے۔ کوئی نیا آدمی جب اس گھر میں آتا خصوصاً عورتیں جب صفائی کرتی ہیں تو ہزار ہزار کوسنے دیتی ہیں پرانے مالکوں کو اور پرانے رہنے والوں کو، بڑے ہی گندے لوگ تھے دیکھو باورچی خانہ کا یہ حال ہے، جو گند ہوتا تھا فلاں کونے میں چھپا دیا کرتی تھیں۔ یہ کوئی عورتیں تھیں، کوئی انسان تھے، بڑی مصیبت پڑی آج صفائی کی۔ نوکر بدلیں تو وہ بھی یہی کام کرتا ہے پچھلے نوکروں کو گالیاں دیتا ہے کہ دیکھو ان کو صفائی نہیں کرنی آتی تھی اور حال یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے نفس کے گند چھپاتا چلا جاتا ہے، چھپاتا چلا جاتا ہے زندگی بھر چھپاتا چلا جاتا ہے۔ غیر کی آنکھ سے چھپانا شروع کرتا ہے پھر اپنی آنکھ سے چھپانے لگتا ہے۔ اس لئے یہ خوب یاد رکھیں کہ وہ شخص جو غیروں کی آنکھ سے اپنی برائیوں کو چھپاتا ہے وہ لازماً اس بات میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ پھر اپنی آنکھ سے اپنی بیماریوں کو چھپانے لگے اور جب اپنی نظر سے بیماریاں اوجھل ہو گئیں تو پھر آپ کو کیا پتا چلے گا کہ کس سمت سے کس سمت میں بھاگنا ہے۔ نہ خطرے کی سمت معین، نہ پناہ کی سمت معین۔ جب پتا ہی نہ ہو کہ خطرہ خشکی سے ہے یا پانی سے ہے تو کس طرف بھاگیں گے آپ؟ خدا پھر بھی ہر سمت ہوگا۔ خدا کی امن کی باہیں پھر بھی آپ کے لئے کھلی اور منتظر ہوں گی۔ یہ آپ حرکت نہیں کر سکیں گے کیونکہ آپ کو کچھ پتا نہیں کہ اس وقت میرا امن خدا کی کس سمت میں واقعہ ہے۔ اس پہلو سے میں نے جو برائیوں کے مقابل خدا کی امن دینے والی صفات کا جائزہ لیا تو یہ تو ایک بہت ہی وسیع مضمون بن جاتا ہے۔ اتنا وسیع ہے کہ درحقیقت سینکڑوں خطبات میں بھی اس مضمون کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ چند مثالیں دی جا سکتی ہیں اور ان مثالوں کے ذریعے آپ کو متوجہ کیا جا سکتا ہے کہ ان باتوں پر غور کرتے رہیں اور جب اپنے نفس کو ٹٹولیں تو پھر اپنی پناہ گاہوں کی بھی تلاش شروع کریں۔

دوسرا سوال میں نے یہ اٹھایا تھا کہ بعض صفات خدا تعالیٰ کی صفات ہیں ہی نہیں اور اس کے

باوجود انسان بعض برائیوں سے ان صفات کی پناہ میں آتا ہے۔ تو کیا غیر اللہ کے سوا بھی کوئی پناہ ممکن ہے؟ مثلاً ایک انسان کی صفت ہے قناعت۔ جو قناعت کرتا ہے اس کو ہم قانع کہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی کوئی صفت قناعت نہیں ہے، خدا کو آپ قانع نہیں کہہ سکتے لیکن آپ جانتے ہیں کہ قناعت آپ کو بہت سی برائیوں اور بدیوں سے بچاتی ہے۔ اس مضمون کے ذکر سے پہلے میں قناعت کا تعلق جن بدیوں سے ہے اس کے اوپر کچھ ذکر کرتا ہوں پھر بتاتا ہوں کہ خدا کی کس صفت سے قناعت کا تعلق ہے اور کیوں ہے۔ درحقیقت قناعت بھی خدا تعالیٰ کی بعض صفات کے تابع ہے اور جب خدا کے متعلق آپ قناعت کا مضمون بیان کرنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جو طریق ہمیں سکھایا ہے اس کی رو سے بعض اور صفات ہیں جو سرسری نظر سے قناعت کا مضمون اپنے اندر رکھتی ہوئی معلوم نہیں ہوتیں مگر درحقیقت کوئی انسانی صفت بھی ایسی نہیں جو کسی خدائی صفت کے تابع نہ ہو یا براہ راست وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہوگی یا خدا تعالیٰ کی کسی صفت کے تابع ہوگی۔ ہمارے معاشرے میں جو عام بیماریاں ہیں ان میں سے بہت سی ایسی خطرناک بیماریاں ہیں جن کا قناعت کے فقدان سے تعلق ہے۔ صبر اور قناعت یہ دو صفات ایسی ہیں جن کا آپس میں ایک جوڑ ہے۔ اس کے اوپر کچھ میں بیان کروں گا پھر خدا تعالیٰ کی اس صفت کے ساتھ اس کا تعلق دکھاؤں گا آپ کو جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔

ایک انسان کو اپنے گردوپیش ماحول میں چیزیں دیکھتے ہوئے اچھی اچھی چیزیں مختلف لوگوں کو اس سے استفادہ کرتے ہوئے دیکھتے ہوئے بہت سی دل میں امنگیں پیدا ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، بہت سے اس کے جذبے جاگتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ انسان جب بھی کسی اچھی چیز کو دیکھتا ہے تو وہ اچھی چیز اپنی طرف اس کو کھینچتی ہے لیکن وہ کشش اتنی شدت سے محسوس نہیں ہوتی جتنی وہ کشش اس وقت محسوس ہوتی ہے جب کسی اور کے پاس وہ چیز دیکھ لیتا ہے۔ یعنی رقابت کا جذبہ اس حسن کی کشش کو دو چند بلکہ بعض دفعہ دہ چند، سو چند بھی کر دیا کرتا ہے۔ تو ہر اچھی چیز کی طرف مائل ہونا یہ فطری تقاضا ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ وہ میری طرف آئے، میں اس کی طرف جاؤں۔ ہر اچھی چیز میرے قبضۂ قدرت میں آجائے، میں اسے حاصل کرلوں اور جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کے ساتھیوں کے پاس وہ چیز ہے تو پھر اگر وہ ساتھی غیر ہوں تو اور زیادہ شدت کے ساتھ اس کی کمی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اگر اپنے ہوں تو اس شدت میں کسی حد تک کمی آجاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس کا بدیوں سے کیا تعلق ہے اور بدیوں سے روکنے والی کون سی صفات ہیں۔ یہ خواہشات اگر پیدا ہوتی رہیں اور ان خواہشات کو انسان ابھارتا رہے اور ان خواہشات کی متابعت شروع کر دے اور ان اچھی چیزوں کی خوابیں دن کو بھی دیکھنے لگے جو اسے بھلی دکھائی دیتی ہیں تو اس کے نتیجے میں بسا اوقات ایک ایسا مقام آجاتا ہے کہ وہ پھر اس جذبے کو برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر خواہ قانون اس کو اجازت دے یا نہ دے وہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ ایسے موقع پر صبر اس کے کام آسکتا ہے صرف۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے صبر پر بہت زور دیا ہے۔ یعنی خواہشیں بیدار ہوگئی ہیں، حاصل کرنے کا ذریعہ موجود نہیں ہے۔ صرف ایک صورت ہے کہ نیکی کے تقاضوں کو چھوڑ کر، بھلا کر جس طرح بھی کوئی چیز ہاتھ آتی ہے اسے آپ لینے کی کوشش کریں یہ جو گناہ کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے خواہش کے نتیجے میں اس کو روکنے کے لئے صبر کی صفت کام آتی ہے اور قرآن کریم نے اس پر غیر معمولی زور دیا ہے کیونکہ دنیا میں بھاری اکثریت انسانوں کی ایسی ہے جو صبر کی محتاج ہیں۔ ان کو یہ طاقت نہیں ہے کہ اپنی خواہشوں کو لگام دے سکیں۔ اس لئے مجبور ہیں اگر صبر بھی ان میں نہ رہے تو وہ لازماً گناہوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ حرص و ہوا کئی قسم کے گناہوں میں انسان کو مبتلا کرتی ہیں۔ قتل بھی اس کے نتیجے میں ہو جاتے ہیں، ڈاکے پڑتے ہیں، چوریاں ہوتی ہیں، لوگوں سے پیسے مانگنے کی عادت بڑھتی ہے، پیسے لے کر نہ واپس کرنے کی بدی ان میں پیدا ہوتی ہے اور پھر بہانہ بنا کر نفس کے قرضے کے نام پر پیسے لینے کی عادت پڑتی ہے۔ بدیاں چھپانے کا رجحان انسان کو صاف نظر آنا چاہئے کہ جس چیز کو میں واپس نہیں کر سکتا اس کا نام قرضہ کیوں رکھوں لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے مانگا تو یہ میری غیرت کے خلاف ہے۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ میں قرض آپ سے لے رہا ہوں، واپس کر دوں گا انشاء اللہ۔ حالانکہ انشاء اللہ کہنے کا اس کو حق ہی کوئی نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس میں قرض کی واپسی کی کوئی توفیق نہیں ہے اور پھر جب قرض میں مبتلا ہوتا ہے تو پھر جھوٹ کی عادت پڑتی ہے۔ پھر ایک برائی دوسری برائی کی طرف لے جاتی ہے۔ تو ان سب باتوں سے روکنے کے لئے صبور خدا کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت صبور ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے لیکن بہت سی باتیں نہیں کرتا۔ بہت سی باتیں وہ تکلیف دہ دیکھتا ہے جن کو روک سکتا ہے ہٹا سکتا ہے لیکن ان کو نہیں ہٹاتا۔ ان

معنوں میں وہ صبور نہیں ہے کہ بے بس اور بے اختیار ہے۔ ان معنوں میں صبور ہے کہ اس کو اختیار ہے اور پھر نہیں کرتا اور حقیقت میں انسان صبور بھی اسی وقت کہلا سکتا ہے جب اسے اختیار ہو اور وہ نہ کرے ورنہ کہا جاتا ہے ''عصمت بی بی بیچارگی''۔ بڑی پاکباز عورت ہے اس لئے کہ بیچاری ہے اس کے پاس اور کوئی اختیار ہی کوئی نہیں اس کو آپ صبور نہیں کہیں گے۔ صبور وہی ہے جو کر سکتا ہے قانون توڑ کر کرے چاہے لیکن کر سکتا ہے اور پھر وہ رک جاتا ہے اس کے عقل کے تقاضے، اس کا خدا سے تعلق یہ سارے امور اس کو مجبور کرتے ہیں کہ تم نے یہ کام نہیں کرنا۔ تو خدائے صبور کی طرف اس کا دوڑنا ان ساری برائیوں سے اس کو بچا سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کو یہ یاد رکھنا ہوگا کہ صبر ایک ہمیشہ کے لئے اندرونی جدوجہد کو پیدا کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ میں وہ جدوجہد نہیں ہوتی کیونکہ وہ قادر مطلق ہے۔ انسان کے لئے صبر ہمیشہ مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے صبر کے مضمون کے ساتھ صاحب عزم ہونے کا مضمون بھی باندھا ہے یعنی آپ خدا کی خاطر کسی اور وجہ سے کسی برائی سے رکتے ہیں، کسی خواہش کو پورا ہونے سے روک لیتے ہیں لیکن دل ضرور بیقرار رہے گا۔ ایک جدوجہد ضرور ہے جو سینہ میں جاری رہے گی، ایک ہلچل مچی رہے گی، ہر دفعہ دل چاہتا ہے لیکن آپ مجبور ہیں یعنی صبر آپ کا مجبور کر دیتا ہے، روک دیتا ہے۔

تو ایک صابر کی زندگی ایک مجاہد کی زندگی ہے۔ جس طرح ایک نفس سے باہر مجاہدہ ہوا کرتا ہے اسی طرح ایک نفس کے اندر بھی مجاہدہ ہوتا ہے جو صبر کے نتیجے میں بڑی شدت کے ساتھ انسان کے اندر جاری رہتا ہے اور انسان کی دو قوتیں آپس میں ایک دوسرے سے لڑتی رہتی ہیں لیکن قناعت کا مضمون اس سے مختلف ہے۔ قناعت صبر کے سوا ایک اور طاقت ہے جو آپ کو گناہوں سے روکتی ہے اور گناہوں سے باز رکھتی ہے اور اس کے ساتھ مجاہدہ نہیں ہے بلکہ ایک امن کی حالت ہے اور سکون کی حالت ہے۔ اس لئے اگر صبر ٹوٹے اور قناعت بھی نہ ہو تو پھر انسان کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ قناعت کہتے ہیں اپنی خواہشات کو اس طرح لگام دینا کہ ان کو چھوٹا کرتے چلے جانا، ان کو کم کرتے چلے جانا یہاں تک کہ آپ کی خواہشات میں کوئی شدت نہ رہے، کوئی جان اور کوئی قوت نہ رہے اور اگر آپ اپنی خواہشات کو اپنی حیثیت کے مطابق کر لیں جتنا قد آپ کی استطاعت کا ہے اتنا ہی قد آپ کی خواہشات کا بھی ہو جائے تو وہ مقام آپ کے لئے سکون کا مقام ہوگا اور طمانیت کا مقام ہوگا۔ ایسے

بہت سے لوگ میں نے دیکھے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے یہ صفت عطا فرمائی ہے ان کی آمدنیں تھوڑی ہیں لیکن وہ خوش ہیں ان کے گھروں میں سکون ہے وہ خود بھی قانع ہیں، ان کی بیویاں بھی قانع ہیں، ان کے بچے بھی قانع ہیں کیونکہ وہ گردو پیش میں اچھی چیزوں کو دیکھتے تو ہیں لیکن اپنے دل کو یہ سلیقہ سکھا دیا ہے کہ اچھی چیز جو نہیں ہے وہ نہیں ہے اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جتنا ہے جو کچھ ہے اس کو مزے لے لے کر استعمال کرنا چاہئے چنانچہ ایسے لوگ جب بغیر سالن کے سوکھی روٹی کے اوپر مرچیں اور نمک لگا کر مل کر کھاتے ہیں تو ہوسکتا ہے ان کو اتنا زیادہ مزہ اس میں آرہا ہو کہ ایک بے صبرے اور غیر قانع شخص کو اچھے اچھے کھانوں میں بھی وہ مزہ نہ آرہا ہو۔ بلکہ ہوسکتا نہیں یقیناً ایسا ہی ہے کیونکہ اچھی سی اچھی چیز مہیا ہونے والے کو بھی اس سے اچھے کا تصور مزید کے لئے بے چین رکھتا ہے۔ جو شخص قانع نہ رہے اگر وہ صابر بھی ہو تب بھی اس کی جو حیثیت اور توفیق ہے اس کی حدوں سے باہر اس کی امنگیں چھلانگ لگا رہی ہوتی ہیں اور اس کی آرزوئیں اتنا اونچا اڑ رہی ہوتی ہیں کہ وہ اس کی توفیق کی حد سے باہر ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کے دل کی بے چینی ایک لازمہ ہے۔ ایسی چیز ہے جس کو وہ دور نہیں کر سکتا۔

چنانچہ قناعت ایک عجیب صفت ہے اور یہ صفت خدا تعالیٰ کی صفت غنیٰ سے تعلق رکھتی ہے۔ خدا تعالیٰ قانع نہیں ہے کیونکہ خدا کو تو ہر چیز میسر ہے مگر وہ غنی ہے اور غنی ان معنوں میں کہ جو چیز اس کی ہے وہ اس کو نہیں دی جارہی لیکن وہ اس سے تکلیف محسوس نہیں کرتا، اس سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (العنکبوت:۷) پھر فرمایا :وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ (ابراہیم:۹) کہ جو شخص بھی ایک مجاہدہ کرتا ہے وہ اپنے نفس ہی کے لئے مجاہدہ کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ خدا تعالیٰ تمام جہانوں سے مستغنی ہے۔ یہاں غنی بمعنی مستغنی کے ہے کہ تم اگر کوئی کوشش کرتے ہو، کوئی نیکی کرتے ہو تو اس کا خدا تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لازماً اس کا فائدہ تمہیں پہنچ رہا ہے۔ اس لئے کبھی بھی اپنی نیکی کے نتیجے میں خدا کے مقابل پر اپنا کوئی مقام اور مرتبہ نہ سمجھنے لگ جانا۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ہم نے یہ نیکی کر دی گویا اللہ کی خاطر یہ کیا، خدا کی خاطر یہ کیا، کرتے تو خدا کی خاطر ہو لیکن ہوتا تمہاری اپنی خاطر ہے۔ یعنی جو کچھ خالصۃً اللہ کے لئے

کرتے ہو وہ بھی تمہارے اپنے لئے ہوتا ہے۔ وہ تو لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ تمام جہانوں سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ کچھ کرے یا نہ کرے خدا تعالیٰ کی ذات کو، اس کی صفت کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

پھر اس مضمون کا دوسرا پہلو بیان کرتے ہوئے حضرت موسیٰؑ کی زبان میں خدا فرماتا انہوں نے اپنی قوم سے کہا اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ اگر تم سارے کے سارے اور وہ تمام لوگ یا جاندار جو روئے زمین پر بستے ہیں کلیۃً خدا کے ناشکرے ہو جائیں تب بھی فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ خدا تعالیٰ غنی ہے۔ تمہاری حمد نہ کرنے سے اس کی ذاتی صفت حمید کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ جو حمید ہے وہ حمید ہی رہتا ہے خواہ اس کا کوئی اقرار کرے یا نہ کرے۔ اور بعض دفعہ انسان کو بھی ایسا تجربہ ہوتا ہے یعنی غنیٰ اور حمد جب دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ایک عجیب نیا مضمون اس سے پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ چھوٹی سی نیکی کرتے ہیں اور جب تک وہ نیکی ان کی حمد کی شکل میں تبدیل نہ ہو ان کو چین نہیں آتا۔ نہ وہ قانع ہیں نہ وہ غنی ہیں اس لئے وہ دکھاوے کر کر کے اپنی نیکیوں کو ضائع کر دیتے ہیں۔

اس کے برعکس بعض ایسے لوگ ہیں جو نیکی کرتے ہیں اور ان کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس نیکی کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ نہیں بلکہ بعض دفعہ جب اس نیکی کے اعتراف کی بجائے ان کی حمد کے بجائے ان کی برائی کی جاتی ہے تو اپنے دل میں ایک خاص لذت محسوس کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے نیکی کی ہے اور ان کو بد کہنے والے بے وقوف ہیں، نادان ہیں، ان کو کچھ پتا نہیں کہ کیا کر رہے ہیں۔ یہ صفت خصوصیت کے ساتھ انبیاء کو عطا ہوتی ہے اور جس رنگ میں خدا قانع بنتا ہے غنیٰ کے ذریعے اس رنگ میں انبیاء خدا کے بندے ہونے کے باوجود اس خدائی صفت سے خوب اچھی طرح اپنے دل کو منور کر لیتے ہیں اور قانع بنتے ہیں غنی کی صورت میں۔ دنیا جو چاہے ان کو کہتی پھرے ساری خوبیاں ان کے سوانح میں دوسرے انسانوں سے بڑھ کر ان کے دل میں موجود ہوتی ہیں اور ان کے اعمال میں موجود ہوتی ہیں۔ ان کی سیرت، ان کی سیرت خوبیوں کا مجسمہ بنی ہوئی ہوتی ہے لیکن دنیا ساری خوبیوں کا ان سے انکار کر رہی ہوتی ہے اور وہ خوش رہتے ہیں، وہ غنی ہوتے ہیں، وہ مستغنی ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا ہم جانتے ہیں کہ ہم ٹھیک ہیں، ہم جانتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔ بندہ تو پھر بھی کمزور ہے اور اس کا جاننا بھی محدود ہے لیکن خدا

جو لامحدود ہے اور ساری کائنات میں ہے کوئی جگہ اس سے خالی نہیں اس کا اپنا ذاتی احساس حمد ایک اتنی عظیم چیز ہے کہ اس کے مقابل پر ساری کائنات بھی اگر اس حمد کا انکار کر دے اور ناشکری شروع کر دے تو خدا کو واقعۃً ضرورت نہیں ہے۔ خدا اور اس کے عظیم بندوں یعنی انبیاء کے بعد درجہ بدرجہ غنیٰ کا اور قناعت کا تعلق مختلف ہوتا چلا جاتا ہے یعنی غنیٰ کی پوری شان انسانی قناعت میں نہیں رہتی لیکن پھر بھی جتنی بھی ہو قناعت حسین دکھائی دیتی ہے۔

چنانچہ جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے بعض لوگوں کو میں نے بڑے غور سے قریب سے دیکھا ہے ان کی زندگیاں بہت زیادہ مطمئن ہیں ان لوگوں کی نسبت جن کو ان سے سینکڑوں گنا بعض دفعہ ہزاروں گنا زیادہ ملا ہوا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ قانع ہیں اور وہ دوسرے زیادہ پانے والے بدنصیبی کے ساتھ قانع نہیں ہیں اور ان کی حرص ہمیشہ ان کے ماحصل کے حدود سے آگے آگے بھاگ رہی ہوتی ہے۔ اس لئے قناعت بڑی ضروری ہے۔ اگر خاوند قانع ہو بیوی قانع نہ ہو تو ان برائیوں کے علاوہ ایک اور بھی جہنم پیدا ہو جاتی ہے گھروں میں۔ اگر بیوی قانع ہو اور خاوند قانع نہ ہو تب بھی یہی مصیبت ہے۔ اگر ماں باپ قانع ہیں اور بچے قانع نہیں ہیں تو وہ اپنے ماں باپ کے طعنے ایک عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا بعض ماں باپ اللہ کی رضا پر راضی، جو کچھ ان کو ملا ہے اس کے اندر رہنے والے لیکن ان کے بچے پھر ان کی ساری عزتیں خاک میں ملا دیتے ہیں، آگے آگے بھاگ کر اپنی حرصوں کو پوری کرنے کے لئے ایسے بوجھ اٹھا لیتے ہیں کہ ان کے ماں باپ پھر ان کو اتار بھی نہیں سکتے۔ تو قناعت کا نہ ہونا ایک بہت ہی خطرناک چیز ہے اگر صبر بھی نہ ہو۔ **تو صبر اور قناعت کو دونوں کو اپنی حفاظت کے لئے استعمال کرنا چاہئے** اور آج کل کے زمانے میں مالی لین دین کی خرابیوں میں یہ دونوں صفات انسانوں کے بہت زیادہ کام آسکتی ہیں۔ اس لئے جب میں کہتا ہوں کے گناہوں کو ٹٹولیں تو میری مراد یہ نہیں ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی ایک دفعہ کہا تھا کہ گناہ بننے کے بعد ان کو ٹٹولیں۔ میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ گناہوں کی پیدائش سے پہلے ان کونوں کھدروں میں جہاں چھپ کر جراثیم پرورش پا رہے ہوتے ہیں، جہاں گناہوں کی پیدائش ہو رہی ہوتی ہے ان جگہوں سے پردے اٹھائیں اور ان پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کے کیا ہو رہا ہے آپ کے اندر، کس طرح بالآخر آپ کو گناہوں کی طرف دھکیلا جائے گا اور وہ قوتیں جو ہانک کر آپ کو گناہوں کی طرف لے

جائیں گی پھر ان کے خلاف آپ کے پاس کوئی طاقت نہیں ہوگی۔ اس خطرے کے عظیم ہونے سے پہلے پہلے اور آپ پر غالب آجانے سے پہلے پہلے وہ مقامات جہاں خطرے پیدا ہو رہے ہیں ان کو جستجو کی نظر سے دیکھیں اور ان کا تجزیہ کریں پھر آپ کے اوپر کوئی شیطان کبھی غالب نہیں آسکتا اور پھر آپ خدا کی پناہ میں آنے کے لئے خدا کی اس صفت کو اپنانے کی کوشش کریں جس کے بغیر آپ اس قسم کے گناہوں سے جو آپ کی نظر میں ہیں کبھی بچ نہیں سکتے۔ تو ایک پہلو فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ کا یہ ہوا کہ ہم اپنے خطروں کی نشاندہی کریں اس کے مدمقابل خدا تعالیٰ کی جو صفت امن کی خاطر ہماری منتظر ہے بانہیں کھولے ہوئے اس صفت کو پہنچانیں اور اس کی طرف دوڑیں۔

دوسرا پہلو دعا کا ہے جو فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ کے مضمون میں شامل ہے۔ دعا کرتے وقت ایک انسان کے دل میں جب ہیجان پیدا ہو یا خوف وخطر کا احساس ہو تو ایک غیر معمولی قوت پیدا ہو جاتی ہے جو دعا کو رفعت عطا کرتی ہے۔ اس لئے وہاں بھی جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے خطرے کی پہچان اور اس کی ہلاکت خیزی کا عرفان ضروری ہے۔ جتنا زیادہ آپ کو خطرے کی پہچان ہوگی اور اس کی ہلاکت خیزی سے آپ واقف ہوں گے کہ اس اس طرح یہ نقصان پہنچا سکتی ہے یہ چیز اتنا ہی زیادہ آپ کے اندر دعا کا میلان پیدا ہوگا اور آپ کی دعا میں اٹھنے کی طاقت آئے گی ورنہ ہر انسان عمومی طور پر تو موٹے موٹے اپنے گناہوں سے واقف ہی ہوا کرتا ہے۔ اپنی بدیوں سے بالعموم ظاہری شکل میں تو انسان واقف ہی ہوا کرتا ہے لیکن واقف ہونے کے باوجود ہیجان نہیں پیدا ہوتا اور دعا کے ساتھ مضطر ہونا ضروری ہے کیونکہ مضطر کے متعلق خدا نے وعدہ کیا ہے کہ میں مضطر کی دعا ضرور قبول کرتا ہوں۔ تو اس کا بھی پھر گویا کہ عرفان سے تعلق ہوا۔ جتنا زیادہ آپ اپنے گناہ کی ہلاک کرنے کی طاقتوں سے واقف ہوں گے اتنا زیادہ آپ کے اندر بے چینی پیدا ہوگی۔ ایک انسان کو نزلہ بھی ہوتا ہے اتنا بے چین نہیں ہوا کرتا اس سے لیکن کینسر بھی ہوتا ہے اس سے کتنا بے چین ہو جاتا ہے؟ خواہ نزلہ زیادہ تکلیف دہ ہو اور کینسر سے بظاہر کوئی تکلیف نہ ہو رہی ہو لیکن چونکہ علم ہے کہ کینسر کس طرح ہلاک کیا کرتا ہے اور چونکہ علم ہے کہ نزلہ تکلیف دینے کے بعد پھر اس میں آپ ہی آپ رخصت ہو جائے گا اور ہمیں چھوڑ جائے گا۔ اس لئے ایک نے ہیجان پیدا کر دیا اور ایک نے ہیجان پیدا نہیں کیا۔

تو بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کے متعلق انسان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کتنا مہلک گناہ ہے۔

جھوٹ ان میں سے ایک ہے۔ تمام گناہوں سے بڑھ کر مہلک ہے۔ اس سے زیادہ خوفناک اور ذلیل و رسوا کرنے والا کوئی گناہ نہیں ہے۔ شرک کا دوسرا نام جھوٹ ہے۔ تمام بدیوں، تمام گناہوں کی ماں ہے اور سب سے کم اس کی ہلاکت خیزی کا احساس انسان کو ہے۔ تو حق کی پناہ میں کیسے آئیں گے اگر جھوٹ کا خوف دل میں پیدا نہ ہوا اور سچائی کے لئے دعا مانگتے ہوئے آپ کے دل میں کیسے ہیجان پیدا ہوگا، کیسے آہ و بکا کی طرف طبیعت مائل ہوگی، کیسے دل مضطر بنے گا اگر آپ کو پتا ہی نہیں کہ جھوٹ کیا کیا کچھ کر سکتا ہے اور کیا کچھ کرتا ہے انسانوں کے ساتھ۔

تو پھر دوسرا پہلو ہے دعا کا اس کے لئے بھی گناہوں کی ہلاکت کی پہچان، اس پر غور کرنا ضروری ہے۔ گرد و پیش پر نگاہ کریں، قوموں کی تاریخ پر نظر ڈالیں، نیکی اور بدی کی جنگ جو ہمیشہ سے ہوتی چلی آرہی ہے اس کا تجزیہ کریں اور جھوٹ بولتے وقت دل سے جو آواز اٹھی ہے اس کو غور سے دیکھیں آپ کو ہمیشہ معلوم ہوگا کہ جھوٹ بولتے وقت دو آوازیں تھیں۔ بعض دفعہ انسان آہستہ آہستہ دوسری آواز سننے سے محروم ہو جایا کرتا ہے لیکن میں امید رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ احمدیوں میں سے بھاری اکثریت اس مقام تک نہیں پہنچی ہوگی۔ لیکن جھوٹ بولنے کے وقت ہمیشہ دو آوازیں اٹھتی ہیں۔ ایک آواز توحید کی ہوتی ہے اور ایک شرک کی ہوتی ہے۔ توحید کی آواز یہ بتاتی ہے کہ اگر تم نے جھوٹ نہ بولا تو یہ خطرہ موجود ہے ہم تمہیں متنبہ کرتے ہیں لیکن یہ خطرہ تم نے کمایا ہے۔ تمہاری کسی برائی کی وجہ سے، کسی کمزوری کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے اگر تم اس خطرے سے بچنا چاہتے ہو تو اب ایک ہی رستہ ہے خدا کی خاطر سچ بولو اور حق کی پناہ میں آجاؤ اور آئندہ پھر اس خطرے سے احتیاط کرو۔ ایک یہ آواز ہے جو اس تفصیل سے بہت سے دلوں میں نہیں اٹھتی ہوگی لیکن ہر دل میں اس رنگ میں اس کا ایک نقش ضرور جمتا ہے۔ اگر انسان غور کرے اور اپنے دل کا تجزیہ کرے تو اس آواز کے اندر جو جو باتیں میں نے بیان کی ہیں ان سب باتوں کو سمجھ سکتا ہے۔ دوسری آواز یہ اٹھتی ہے کہ جو کچھ ہونا ہے ہو چکا ہے اب تم نہیں بچ سکو گے جب تک جھوٹ نہیں بولے گے حق تمہیں نہیں بچا سکتا، توحید تمہیں نہیں بچا سکتی، خدا کی باتیں پڑھنے کے لئے، سننے کے لئے ٹھیک ہیں لیکن آج واقعۃً اگر تم خدا کی آواز پر لبیک کہو گے اور خدا کی خاطر اقرار کر لو گے سچائی کا تو تم مارے گئے اور تم ہلاک ہو گئے۔ تو سچ کے مقابل پر جھوٹ بالکل اسی طرح ہے جس طرح توحید کے مقابل پر شرک ہے اور اس

کے سوا درمیانی کوئی رستہ نہیں ہے۔اس تفصیل سے جب آپ اپنے جھوٹ بولنے کے پس منظر پر غور کریں تو آپ کا دل کانپ اٹھے گا کہ ہر جھوٹ پر آپ خدا کے مقابل پر ایک فرضی بت کی پناہ میں آتے ہیں، ہر جھوٹ کے وقت آپ خدائے واحد کے مقابل پر شیطان کی پناہ میں آتے ہیں اور کوئی خوف نہیں کرتے اور کوئی شرم نہیں کرتے اپنے خدا سے۔ **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** ی تلاوت کرتے ہیں ہمیشہ۔ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان رجیم سے اور دن میں سوسو بار شیطان کی پناہ مانگتے ہیں خدا تعالیٰ سے کہ اے شیطان! ہمیں بچا کیونکہ خدا ہمیں بچانے میں ناکام ہو چکا ہے۔ ہم خدا کی پناہ میں محفوظ محسوس نہیں کرتے اپنے آپ کو۔ یہ ہے سچ اور یہ ہے جھوٹ۔ ان دونوں کے درمیان آپ فرق نہیں کر سکتے۔تو جب تک آپ بیماریوں کو پہچانیں گے نہیں آپ کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ یہ کتنا گہرا کینسر ہے، کیسا ناسور ہے جو آپ کے سینے کے اندر اور زیادہ گہرا اور زیادہ گہرا ہوتا چلا جا رہا ہے یہاں تک کہ آپ کے سارے وجود کے آر پار ہو جائے گا۔ اس وقت تک نہ آپ کو حق کی طرف بھاگنے کی طرف توجہ پیدا ہوگی، نہ حق خدا سے دعا کرنے کے لئے دل میں بیقراری محسوس کریں گے۔

تو دعا کا دوسرا مضمون ہے فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ کا۔ خدا تعالیٰ کی طرف بھاگو، اس سے دعا مانگو اور اس کو پکارو بھی۔ چنانچہ خطرہ کسی قسم کا بھی ہو اگر کوئی بچانے والا وہاں موجود ہو تو انسان خاموش حرکت نہیں کیا کرتا پھر۔ اس کی حرکت میں واویلا پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے پاس اس کے ساتھی کھڑے ہیں، قریب ہی کہیں موجود ہیں جن کے پاس بندوقیں بھی ہیں، جن کے پاس اور ہتھیار موجود ہیں۔تو جانور خواہ آسمان سے حملہ کر رہا ہو، خواہ زمین سے، خواہ پانی سے نکل کر اس پہ حملہ آور ہو۔ وہ دوڑے گا ضرور اس سے اس جگہ کی طرف جس کو امن کا مقام سمجھتا ہے لیکن ساتھ آوازیں بھی دے گا اور پکارے گا بھی کہ اے میرے ساتھیو! اے میرے دوستو! مجھے بچاؤ۔ بعض دفعہ تو بچہ چونکہ فطرت کے قریب ہے اور سچائی کے قریب تر ہے اس کے اندر بے ساختہ یہ دونوں باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی ماں اس آواز کو نہ بھی سن رہی ہو، کوسوں دور بھی ہو تو اس کے ذہن میں سب سے زیادہ خیال اس وجود کا آتا ہے جو ہر قیمت پر اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بھی اس کو بچا سکے گی۔ تو اس کے جو دل سے ماں ماں کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور وہ چیخیں مارتا ہے کہ اے میری ماں!

دشمنوں نے اس کو اغوا کیا ہوا ہے، اس کو اٹھا کے ایسی جگہ لے گئے ہیں جہاں سے وہ ہزار چیخے تب بھی کوئی اس کی آواز نہیں سن سکتا لیکن وہ ہاتھ پاؤں بھی مارے گا اور ماں ماں کہہ کے پکارے گا یہ ہے مضطر کی دعا جو انسان کو گناہوں سے بچا سکتی ہے اور گناہوں سے انسان خدا کی پناہ میں آ سکتا ہے لیکن اگر خطرے کا احساس ہو۔ ایک سوئے ہوئے بچے کے ساتھ آپ جو چاہیں کر دیں وہ تو نہ ہاتھ پاؤں مارے گا، نہ کسی کو پکارے گا۔ تو بہت سے نفس ایسے ہیں جو سوتی ہوئی حالتوں میں ہلاک کر دئے جاتے ہیں اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہی ہے۔ اس لئے غفلت سے شعور کی حالت میں داخل ہونا سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔

اس لئے میں ہر احمدی بڑے اور چھوٹے کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ فی الحال دوسروں پر تنقید کو چھوڑ کر اپنے نفس پر تنقید شروع کریں۔ اکثر خط جو مجھے آتے ہیں تنقید سے تعلق رکھنے والے وہ دوسروں پر تنقید ہوتی ہے کہ یہ دیکھو یہ ہو گیا، وہ ہو گیا، وہ ہو گیا۔ پتا ہی کوئی نہیں کہ اپنے اندر کیا کھلبلی مچی ہوئی ہے، کیا قیامت ٹوٹی پڑی ہے اور جو سوسائٹی ایسے افراد پر مشتمل ہو کہ ہر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہا ہے ان میں سے ہر ایک اپنے نفس سے غافل ہو چکا ہوتا ہے۔ ایک دیکھنا اور ہے وہ دیکھنا ہے اپنے نفس کو دیکھ کر اس کے آئینے سے سوسائٹی کا مطالعہ کرنا اور اس کو متنبہ کرنا اور اس کے لئے فکر مند ہونا۔ اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے کیونکہ جو اپنے نفس کے آئینے سے دوسرے کو دیکھتا ہے چونکہ وہ اپنے نفس کی حالت زار کے نتیجے میں دعا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور صرف تنقید کی حد تک ظالم ہے واقعۃً ظالم نہیں ہوا کرتا۔ بالکل اسی طرح یہ آئینہ اسے سوسائٹی دکھاتا ہے وہ سوسائٹی کو سچائی کی آنکھ سے دیکھتا ضرور ہے، اس کی کمزوریوں سے واقف ہوتا ہے، ان کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اسی طرح جس طرح اپنے نفس کی برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لوگوں کے سامنے اچھال کر نہیں بلکہ گہرے درد کے ساتھ اپنے خدا کے حضور رکھ کر گریہ وزاری کے ذریعے، اپنے نفس کو ملامت کے ذریعے، اپنے نفس کو نصیحت کے ذریعے نہ کہ اس لئے کہ وہ نفس دنیا میں بدنام ہو۔ تبھی آنحضرت ﷺ نے ہمیں یہ گُر بتایا کہ مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ (ابوداؤد کتاب الادب حدیث نمبر: ۴۲۷۲) یہاں وہ ناقد مراد ہے جو اپنے نفس کے آئینے میں کسی اپنے بھائی کی برائیاں اس طرح دیکھتا ہے کہ خود صاحب تجربہ ہو جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ کیا کیا میرے نفس پر گزرتی رہی، کیا گزر رہی ہے، اسی قسم

کے حالات میرے بھائیوں پر بھی گزر رہے ہیں میں ان کی مدد کروں جس طرح میں نے اپنے نفس کے تجارب سے سیکھا ہے۔ یہ تنقید مہلک نہیں ہے بلکہ نہایت ہی ضروری ایک تعمیری تنقید ہے لیکن اس کے بعض قوانین ہیں ان کے تابع چلنا ہوتا ہے لیکن بالعموم سوسائٹی میں جو تنقید ہے وہ میں نے جیسا کہ بیان کیا ہے اپنے نفس سے غافل کر دیتی ہے انسان کو۔

پس وہ سوسائٹی جس کا ہر شخص، جس کا ہر فرد اپنے نفس سے غافل ہو چکا ہے اس کا نگران، اس کا محافظ کوئی بھی نہیں رہا کرتا۔ پس اپنے نفسوں کی طرف متوجہ کریں اور اپنے نفس میں ڈوب کر جو تربیت کے گُر سیکھیں ان کو اپنے بھائیوں کے لئے استعمال کریں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے رہیں اور شیطان رجیم سے دور بھاگنے کی عارفانہ کوشش کریں نہ کہ محض زبان سے **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** کا ورد کریں اور اعمال کے رو سے خدا سے دوڑ کر شیطان کی پناہیں ڈھونڈ رہے ہوں۔ اللہ ہمیں اس ہلاکت سے بچائے۔ آمین۔